شیخ حبیب الرحمن بٹالوی

اقبالؒ کا مردِ مؤمن

۲۰ اگست ۱۹۸۲ء جمعہ کی رات برِ عظیم ایشیاء کے عظیم خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں دار بنی ہاشم میں ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ اسلم نصاری مہمان خصوصی تھے۔ مشاعرے کا آغاز سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ نے تلاوت قرآن پاک سے کیا۔ اس کی رپورٹ "ایک یادگار مشاعرہ" کے نام سے روزنامہ "امروز میں" چھپی۔ اس کے فوراً بعد بقر عید تھی۔ میرا مدرسہ معمورہ جانے کا اتفاق ہوا سید عطاء المحسن رحمۃ اللہ علیہ باہر کھلی جگہ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ سلام عرض کیا۔ پوچھا کہاں سے آئے ہیں۔؟ کیا نام ہے؟ میں نے نام بتایا کہنے لگے "امروز" میں چھپنے والی رپورٹ آپ ہی کی تھی؟ میں نے کہا! جی ہاں۔ میں نے بتایا کہ میری جنم بھومی بٹالہ ضلع گورداسپور ہے۔ والد صاحب اس وقت مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کی تقریر سننے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر جب انہیں میری پیدائش کا پتہ چلا تو انہوں نے میرا نام مولانا کے نام پر "حبیب الرحمن" رکھ دیا۔ شاہ جی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ کبھی کبھار آجایا کریں۔ فقیر نے دھونی مار رکھی ہے اور

ادھر سے کبھی تم گزر کر تو دیکھو

بڑی رونقیں ہیں فقیروں کے ڈیرے

شاہ جی سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ اس سے پہلے گوجرانوالہ لاہور، ملتان تقاریر پر، جلسوں میں کئی دفعہ ہاتھ ملایا مگر احترام مانع رہا کھل کر کبھی بات نہ ہو سکی۔ کہ اتنی بڑی شخصیت کے سامنے کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔ اس کے بعد میں دار بنی ہاشم میں جمعہ کے بعد شاہ جی کی نجی محفل میں باقاعدہ حاضری دینے لگا۔ دوسرے دنوں میں بھی آتے جاتے ایک آدھ نماز یہاں ہو جاتی۔ اس دوران شاہ جی کو مرزا طاہر کے تعاقب میں لندن جانا پڑا وہاں دفاتر قائم کرنے کے بعد شاہ جی کی واپسی پر ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ شاہ جی نے تقریر کے دوران فرمایا کہ ہمیں ایک تربیت یافتہ ٹیچر چاہئے جو دینی طلباء کو انگریزی پڑھا سکے۔ مدارس میں یہ لسانی مسئلہ بڑی شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ دوسرے دن میں نے شاہ جی سے بات کی کہ جب تک آپ کو کوئی تربیت یافتہ ٹیچر نہیں ملتا یہ ہیچ مداں طلباء کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ شاہ جی نے فرمایا۔ اس مقصد کے لئے میں لندن سے ایک انگلش بک لایا ہوں جو وہاں کی مسلم کمیونٹی نے وہاں کی معاشرتی برائیوں سے ڈرتے ہوئے اپنے بچوں کے لئے تدوین کی ہے۔ وہی آپ نے پڑھانی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اس کتاب کے چند الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں جسے سے شاہ جی کی بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے۔

A :ALLAH اللہ **B** : BISMILLAH بسم اللہ **H** :HAJ حج۔

I :ISLAM اسلام **J** : JIHAD جہاد **M** :MUHAMMAD محمد

O : OMAR : عمر **Q** : QURAN قرآن **U** : UMRA عمرہ **Z** : ZAKAT زکوٰۃ

مجھے فخر ہے کہ اس طرح شاہ جی کی وساطت سے دو سال تک مجھے دینی طلباء کی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ دو سال میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ جن میں جزوی طور پر مجھے ان افراد میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ جن کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ "بہترین انسان وہ ہیں جو قرآن پاک سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں۔"

"The best persons are those who learn Quran and teach others."

ایک دفعہ شاہ جی نے کوشش کی کہ مدرسے کی طرف سے میرا کچھ ماہانہ معاوضہ مقرر کر دیا جائے۔ میں نے کہا شاہ جی! میں تو محض اللہ کی رضا کے لئے یہاں آتا ہوں کہ آپ گواہی دے سکیں کہ یہ آدمی کچھ عرصہ دینی طلباء کی بے لوث خدمت کرتا رہا ہے۔

ایک دن میں نے اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "شاہ جی! ایک آدمی دوسرے آدمی سے وعدہ کرتا ہے کہ میں یہ تمہارا کام کر دوں گا مگر وہ کام نہیں کرتا دوسری دفعہ وعدہ کرنے پر بھی نہیں کرتا تیسری دفعہ وہ اس آدمی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ میں روزانہ رات کو وضو کر کے عشاء کی نماز میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں کہ "میں چھوڑتا ہوں، علیحدہ ہوتا ہوں، اس شخص سے جو تیری نافرمانی کرے" اور صبح اٹھ کر روزانہ میرا اٹھنا بیٹھنا انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ میری جھوٹ کہاں تک ممکن ہوگی؟ فرمایا آپ اچھے طریقے سے دوسروں کو کہہ دیتے ہیں بس کافی ہے۔ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے سمجھا دینا فرض ہے۔ آپ نے دوسروں کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہہ دیا تھا "آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے ہدایت دینا میرا کام ہے"۔ گلشنِ حیات میں کانٹے اور پھول اکٹھے لگے ہوئے ہیں۔ کانٹوں سے بچ بچا کر زندگی کرنے کی کوشش کرو۔ استغفار کو اپنا شعار بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت آسانیاں پیدا کرنے کی دعا کرتے رہو باقی یاد رکھو کہ

وہ پیڑ جن پہ پرندوں کے گھر نہیں ہوتے
دراز جتنے بھی ہوں معتبر نہیں ہوتے

ایک دفعہ فرمانے لگے عید الاضحیٰ پر طلباء کو آٹھ دن کی چھٹیاں دی جاتی ہیں کہ جا کر ماں باپ سے مل آئیں۔ عید کے تیسرے دن ایک باپ اپنے بیٹے کو لے کر آ گیا۔ رو کے کہنے لگا شاہ جی چھٹیوں میں بھی اسے گھر نہ بھیجا کریں غربت اتنی ہے کہ ہمارے پاس دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ شاہ جی بڑے دکھ سے بیان کر رہے تھے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے گھٹیا سے گھٹیا چیز اور سوسائٹی کا رد کیا ہوا بچہ پیش کرتے ہیں۔

محاورہ مشہور ہے کہ روٹی جل جائے تو مسجد میں بھیج دو کوئی چیز بچ جائے، مدرسے میں دے دو "۔ مگر یہ توفیق نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے اس کے نام پر اچھی چیز نکال کر پہلے سے علیحدہ کر لی جائے جو بچہ سکول میں نہ چلے کند ذہن ہو اسے قرآن مجید حفظ کرنے کے لے مدرسے میں بھیج دیا جاتا ہے یہ حوصلہ نہیں کہ کوئی ذہین بچہ اللہ کے لئے وقف کر دیا جائے۔کہنے لگے یہ جتنے طالب علم ہیں ان میں کوئی بھی او نچے خاندان کا بچہ نہیں ہے۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری سنتا نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم اسکے دیئے ہوئے میں سے اس کو کیا لوٹا رہے ہیں۔ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ وہ پھر بھی ہمارے ساتھ اچھا سلوک روا رکھے ہوئے ہے۔

ایک دن کہنے لگے لوگ کہتے ہیں اس معاشرے کو درست کرنا بڑا مشکل ہے۔واقعی ظاہری طور پر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ تو کیا ہم یہ چیخنا چلانا بند کر دیں۔ نہیں بات پہنچا دینا ہمارا فرض ہے۔ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جب تک یہ زبان چلتی ہے۔ اس کے راستے میں استعمال کرتے رہیں گے کہ:

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

ایک دن ایک نوجوان جو بغیر داڑھی کے تھا، شاہ جی کے پاس آیا۔ کہنے لگا! شاہ جی میرا حج کا ارادہ ہے دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب کرے۔ شاہ جی نے فرمایا پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شکل تو بنا کے آؤ پھر وہاں حاضری کی خواہش سجتی بھی ہے کہ

محمد ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان مال اولاد سے پیارا

فلم، ٹی وی، تھیٹر کے مشہور آرٹسٹ عابد بٹ، اندھیرے سے اجالے کی طرف آنے کے بعد دار بنی ہاشم میں تشریف لائے جمعہ میں تقریر کی۔ چائے کے بعد جب جانے لگے تو شاہ جی جنکی ٹانگوں میں اس وقت ورم تھا اٹھنے لگے۔ عابد بٹ نے کہا شاہ جی! میں تو انتہائی گناہ گار انسان ہوں، آپ تشریف رکھیں۔ آپ کی بڑی مہربانی۔ شاہ جی نے ان کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر کہا "اللہ کی قسم! میں عابد بٹ کے لیئے کھڑا نہیں ہو رہا۔ میں تو بس اس سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں کھڑا ہو رہا ہوں"۔

ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد شاہ جی دعا سے فارغ ہو چکے تو ایک آدمی نے کہا شاہ جی! میرا والد سخت بیمار ہے۔ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ انہیں صحت عطا فرمائے۔ شاہ جی نے کہا اللہ کے بندے! والد تیرا بیمار ہے میں بھلا اس کے لیے کتنے خلوص سے دعا کروں گا! صرف رسمی طور پر ہاتھ اٹھا لوں گا۔ بھوک تجھے لگی ہوئی ہے روٹی میں کھا لوں تیری بھوک مٹ جائے گی؟ تو خود آدھی رات کو اٹھ اللہ کے آگے گڑگڑا دعا مانگ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا"۔

شاہ جی کا معمول تھا کہ رمضان میں ایک دو روزے افطاری کی عام دعوت کرتے جتنا آتا اتنا ہی خرچ

کرنے کی ان کی عادت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا تو سینکڑوں بار حکم دیا ہے مگر جمع کرنے کے لئے ایک دفعہ بھی نہیں فرمایا:۔

"لفظ اسلام سے یاروں کو اگر کد ہے تو خیر

دوسرا نام اسی دین کا فقرِ غیور"

افطار کے وقت میں شاہ جی کے پاس بیٹھا تھا کھانے پینے کی اشیاء سے دستر خوان بھرا ہوا تھا۔ جس میں پھل کے علاوہ سموسے بھی تھے۔ کچھ لوگ ابھی لذت کام و دہن سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور کچھ لوگ افطاری سے فارغ ہو چکے تھے۔ فارغ ہونے والوں میں شاہ جی کے ساتھ میں بھی شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ ٹرے میں سموسے کا ایک ٹکڑا پڑا ہے۔ جونہی میں نے وہ ٹکڑا اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا عین اسی وقت شاہ جی نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا مگر میں وہ ٹکڑا اٹھا چکا تھا پہلے اٹھا چکا تھا۔ شاہ جی نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک ساتھی نے کہا شاہ جی! یہ جو بہت سارے سموسے ابھی پڑے ہیں ان میں سے آپ اور لے لیں۔ شاہ جی نے فرمایا۔ "وہ بات ہی اور تھی یہ نمبر لے گیا"۔

میری بیٹی کے نکاح پر شاہ جی تشریف لائے۔ آپ فالج کے عارضہ کے بعد نشتر ہسپتال سے واپس آئے تھے۔ انتہائی ضعف کا عالم تھا۔ اس کے باوجود غریب خانے کو رونق بخشی۔ چند منٹ بیان بھی فرمایا جاتے ہوئے مجھے تنہائی میں بلایا اور سو روپے زبردستی میری جیب میں ڈال دیئے کہ یہ میری طرف سے بچی کو دے دینا۔

ایک دن مغرب کے بعد میں شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگے "آئیں آج آپ کو ایک تقریر سنوا کے لاتے ہیں"۔ میں حیران! کہ کوئی بہت ہی بڑا مقرر ہوگا جسے شاہ جی سننے جا رہے ہیں۔ "چوک ایم ڈی اے" سے رکشہ میں بیٹھ کر ہم ابدالی مسجد پہنچے شاہ جی مسجد کے ایک کونے میں بہت پیچھے دبک کر بیٹھ گئے۔ جناب طارق جمیل اپنے منفرد انداز میں جنت دوزخ کے موضوع پر قرآن پاک کی آیات کا ایک خوبصورت انبار لگا رہے تھے۔ میرا دل شاہ جی کی منکسر المزاجی پر "واہ واہ" کر رہا تھا کہ اتنے بڑے عالم خود تردد کر کے ایک دوسرے عالم کو سننے کے لئے آئے ہیں ورنہ یہاں تو ایک مولوی دوسرے مولوی کو سننا تو کجا! تسلیم بھی نہیں کرتا۔ اور

جھکا کرتی ہیں وہ شاخیں جو ہوتی ہیں ثمر آور

وہی ہوتا ہے خود سر جو کسی قابل نہیں ہوتا

مدرسے میں عصر سے مغرب تک کھیل کود کے لئے رخصت ہوتی۔ بچے گیند بلا اور والی بال وغیرہ کھیلتے۔ شاہ جی چارپائی پر بیٹھے ان کی خوشی میں باقاعدہ شریک ہوتے۔ انہیں ہدایت دیتے اچھے کھیل کی تعریف کرتے۔ پھر کھیل سے فارغ ہو کر بچے ایک ایک کر کے شاہ جی کے پاس آنا شروع ہو جاتے۔ پیچھے

سے آکر دائیں طرف ایک بچہ ادب سے کھڑا ہو جاتا۔ شاہ جی ہر بچے کی زبان میں پیار سے پوچھتے کیا بات ہے؟ پیسے لینے ہیں؟ کیا کھاؤ گے؟ پھر ہر ایک کو اس کی عمر کے مطابق ایک اور کسی کو دو روپے دیتے چلے جاتے بچوں کی خوشی دیدنی ہوتی۔ اور ان طلباء کے دمکتے ہوئے چہرے دیکھ کر شاہ جی کی مسرت میں بھی بے پایاں اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ جیسے ایک باپ اپنی اولاد کو خوش دیکھ کر ایک طمانیت محسوس کرتا ہے۔ جیسے ایک مالی کے دل میں اپنے ہاتھ کے لگے ہوئے بیل بوٹوں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

شاہ جی کی اپنی اولاد کوئی نہیں تھی اپنے بھانجوں کفیل اور ذوالکفل سے انہیں بے حد پیار تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو شاہ جی کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ سید کفیل بخاری لاہور گئے ہوئے تھے۔ انہیں زیادہ دیر لگ گئی۔ شاہ جی اداسی کی کیفیت میں کہنے لگے"۔ کئی دن گزر گئے ہیں۔ میرا دولہا نہیں آیا"! ایک ساتھی نے پوچھا" شاہ جی! کون؟" شاہ جی نے کہا" کفیل لاہور گیا تھا۔ کئی دن ہو گئے ہیں۔ آیا نہیں خیر ہو!" ساتھی نے کہا۔" شاہ جی کوئی بات نہیں کام پڑ گیا ہو گا۔ آ جائے گا"۔ شاہ جی آبدیدہ ہو کر کہنے لگے۔" تجھے کیا پتہ۔ جس کا بچہ نہ ہو۔ اولاد کی قدر (سار) اسے ہوتی ہے"۔

شاہ جی کے ایک پرانے ساتھی یوسف باوا بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے شاہ جی سے کہا" شاہ جی! ہم آپ کے پاس اس لیے آتے ہیں کہ آپ دولت سے پیار نہیں کرتے۔ جس دن آپ کے پاس دولت آ گئی۔ ہم آپ کو چھوڑ جائیں گے کہ:

طویل عمر گذاری تو پھر یہ راز کھلا
کہ با ضمیر کبھی اہل زر نہیں ہوتے

شاہ جی مذاق میں کہنے لگے باوے! تم مجھے ہمیشہ کے لئے غریب رہنے کی دعا دے رہے ہو۔ بہر حال! رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فقر و درویشی کو پسند فرمایا ہے اور

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم

شاہ جی کے طفیل ہی مجھے ملک کے جید علماء، شعراء، ادباء اور سکالرز کو سننے اور ان سے ملنے کا موقع ملا۔ جن میں علامہ خالد محمود، مشفق خواجہ، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا خان محمد، قاضی حسین احمد، سید نفیس الحسینی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، اسلم انصاری، حافظ لدھیانوی، عباس نجمی، ایم ایم عالم، خالد مسعود، جانباز مرزا، خادم گیلانی، تاثیر وجدان، جاوید اختر بھٹی قابل ذکر ہیں۔

شاہ جی کی شخصیت میں ایک کشش تھی وہ انسانی بلند اخلاق کے مالک تھے ان سے ملنے والا ہر ایک یہی سمجھتا کہ شاہ جی اس کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کی وسعت قلبی کے دائرے میں جو بھی آیا جھومتا چلا گیا۔ بچے سے لیکر بڑے تک ہر ایک کے ساتھ ہر ایک کے مزاج، ہر ایک کی بولی میں گفتگو کرنا ان کا خاصا تھا۔ چھوٹی

چھوٹی باتوں میں بھی دوسروں کی حوصلہ افزائی کرنا ان کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ غم گساری اور ہمدردی کا مرقع تھے وہ ایک عظیم انسان تھے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اپنی زندگی بھی شاہ جی کو دے دیتا کہ وہ میرے جیسے کمترین آدمی کی بات بھی بڑی توجہ سے سنتے یہی وجہ تھی کہ میں بعض اوقات زندگی کے غم و آلام کا ستایا ہوا جب زیادہ پریشان ہوتا تو ان کے دامنِ عافیت میں پناہ لیتا وہ میری بپتا سنتے دل جوئی کرتے۔ خلوص و محبت کے بھرپور انداز میں میرے ٹوٹے ہوئے دل کی مرہم پٹی کرتے۔ دراصل وہ خود ایک شکستہ دل کے مالک تھے۔ درویشی و بے نیازی میں ساری زندگی گزاری۔ عوارض کی پوٹ بن چکے تھے اولاد کوئی نہیں تھی بیوی پہلے اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ وہ اپنے دل کے آئینے کو بچا بچا کر رکھنے کے قائل ہی نہیں تھے۔ شاید وہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس راز کو پا گئے تھے:

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

۲۱، اکتوبر کو میرے بہنوئی گوجرانوالہ میں وفات پا گئے۔ پانچ دن بعد جب میں واپس آیا تو پتہ چلا کہ شاہ جی نشتر ہسپتال میں ہیں۔ تقریباً روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ جب بھی ان کی طبیعت سنبھلی انہیں شاداں و فرحاں پایا کبھی تو وہ مردِ درویش کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لایا۔ وفات سے چار دن پہلے قاری نورالحق ایڈووکیٹ اور جاوید اختر بھٹی (ایڈیٹر "انشعاب") ان کے پاس بیٹھے تھے میں بھی موجود تھا۔ شاہ جی نے قاری صاحب سے اتنا کہا "بات کرنی تو نہیں چاہیے دعا کریں زندگی ہے تو اللہ تعالیٰ صحت دے دے ورنہ یہ مشکل اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔" بھٹی صاحب سے یہ جملہ برداشت نہ ہو سکا اٹھ کر باہر چلے گئے اور پھر وہ اقبال کا مردِ مومن چار دن بعد موت سے کھیلتا ہوا ۲۱، نومبر جمعہ کے دن ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر سفرِ آخرت کو سدھارا۔ شاہ جی کے خدمت گذار (ضیاء اللہ، اختر، امتیاز) بیان کرتے ہیں کہ مرنے سے پہلے کمرے میں موجود سب کو بلا کر ہاتھ ملایا اور کہا گواہ رہنا! میں کلمہ پڑھ کر جا رہا ہوں"۔ پھر کلمہ پڑھا۔ ضیاء اللہ کہتا ہے چند ثانئے پہلے پانی مانگا، دو تین چمچ آبِ زمزم پلایا گیا پھر اشارے سے ہاتھ پرے کر دیا کہ بس اب کام تمام ہو چکا۔ گلے کی طرف اشارہ کر کے کہا یہاں تک روح قبض ہو چکی ہے"۔ اس کے بعد "اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ ایک بے باک اور طاقتور آواز جو چالیس سال تک مسلسل شرک و بدعت اور دجل و فریب کے ایوانوں کو لرزاتی رہی، خاموش ہو چکی تھی۔ ہفتے کی صبح سوا آٹھ بجے آنسوؤں اور سسکیوں کے جلو میں ان کا جنازہ دار بنی ہاشم سے اٹھایا گیا۔ پیر و جواں سب رو رہے تھے۔ ننھے صبیح سے لے کر پروفیسر عباس نجمی تک ہر آنکھ اشکبار تھی اور میرے شاہ جی سب سے بے نیاز سب سے بے پروا اپنے ساتھیوں کے کاندھوں پر سوار ایم ڈی اے روڈ سے ہوتے ہوئے جلال باقری قبرستان کی طرف رواں دواں تھے۔ جنازے میں لوگوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا ایسے لگتا تھا جیسے:

اعضائے بدن سب چور ہوئے ایک دل کے شہادت پانے سے

فوجوں میں تلاطم برپا تھا سالار کے مارے جانے سے

شاہ جی ۶۳ سال کی صبر آزما اور کٹھن زندگی کے تھکے ہارے آخر اپنے عظیم ماں باپ کے قدموں میں آسودۂ خاک ہوئے۔ لوگ چار دیواری کے اوپر، اندر اور باہر دیوانوں کی طرح کھڑے تھے۔ کہ جیسے شاہ جی کا انتظار کر رہے ہوں جیسے شاہ جی ابھی کہیں سے نمودار ہو کر تقریر کا آغاز کرنے والے ہوں مگر وہ تو بہت دور بہت دور جا چکے تھے۔ جہاں جا کر پھر کوئی واپس نہیں آیا۔ شاید ناراض ہو گئے تھے۔ شاید روٹھ گئے تھے۔

جاتے ہوئے چہرے تو دیکھے ان غم دیدہ آنکھوں نے

آج تلک پیغام نہ آیا روٹھ جانے والوں کا

بقیہ از ص 34

باقاعدگی سے ہوتی رہی۔

کانفرنس کے تواتر سے انعقاد پذیر ہونے پر مسلمان قادیانیت کے فریب سے واقف ہوئے ورنہ یہ پورا علاقہ قادیانیت کی لپیٹ میں ہوتا۔ یہ سید عطاء المحسن بخاری کا اس علاقے پر عظیم احسان ہے اور وہ بجا طور پر تلہ گنگ کے محسن ہیں۔ ان کے ایسے ہی احسانات کی تاریخ ملک کے مختلف علاقوں کے ماتھے کا جھومر ہے۔

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقش پا چراغ

شاہ جی ایک درویش صفت انسان تھے۔ وہ عمر بھر غریبوں میں رہے اور غریبوں ہی کے حقوق کی جنگ لڑتے رہے۔ گجرات، سرگودھا، ملتان، چکوال، میانوالی، رحیم یار خان، مظفر گڑھ، بہاولپور، ڈیرہ غازی خان، جھنگ اور ساہیوال وغیرہ کے اضلاع ان کی جاگیرداروں اور وڈیروں سے معرکہ آرائیوں کے شاہد اور گواہ ہیں۔ وہ جب تک زندہ رہے، غیرت و بہادری کے ساتھ جیئے۔ عزت و وقار اور خودداری کی زندگی گزاری اور کوئے دشمناں میں سر اٹھا کر چلے۔ شاہ جی اگرچہ ۱۲، نومبر ۱۹۹۹ء کو رحلت فرما گئے۔ لیکن ان کا مشن زندہ اور جماعت باقی ہے۔ ان کے تیار کردہ نظریاتی کارکنوں کا قافلہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے مستعد اور سرگرم ہے۔ جو حضرت شاہ جی کی زندگی کا مقصد وحید تھا اور اب ۱۴ کروڑ پاکستانیوں کی آرزوؤں کی معراج ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور حسنات قبول فرمائے (آمین)

متاع زیست

ممتاز شاعر محترم سید کاشف گیلانی کی حمد و نعت کا خوبصورت مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔

قیمت: ۱۰۰ روپے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم ملتان فون: 511961